Sociology & Cultural Research Review (SCRR)
Available Online: https://scrrjournal.com
Print ISSN: 3007-3103 Online ISSN: 3007-3111
Platform & Workflow by: Open Journal Systems
https://doi.org/10.5281/zenodo.21929398

Novel "Nadar Log" a statement of social conflict

ناول "نادار لوگ": سماجی کشمکش کا بیانیہ

Dr. Uzma Noreen*
Lecturer Urdu Department G.C Women University Sialkot
uzma.noreen@gcwus.edu.pk
Dr. Syed Ashfaq Hussain Bukhari
Professor Department of Urdu My University Islamabad
Anayat ur Rehman
Scholar PhD Department of Urdu Alhamd Islamic University Islamabad

Abstract

The novel "Nadar Log" written by Abdullah Hussain is considered a novel in Urdu literature in which the life of the downtrodden and deprived class of society is presented in a realistic manner. This novel mainly revolves around poverty, economic inequality and social injustice.

This novel features characters who are deprived of the basic amenities of life and constantly face economic problems, hunger, unemployment and social indifference. The author has shown various aspects of the life of these "Nadar Log" who, on the one hand, are victims of the rigors of the system and on the other hand, do not leave the path of hope and struggle. This novel includes topics such as poverty and economic exploitation, class differences and social inequality, human helplessness and deprivation, criticism of the social system, struggle and hope of the deprived class.

Realism has been given special importance in this novel. The characters are taken from ordinary life and the dialogues and events highlight social truth. The style is simple but effective, which directly affects the reader.

So "Nadar Log" is a novel that forces the reader to reflect on the plight of the deprived sections of society and highlights the importance of social justice.

Key Words:

"Nadar Log", Abdullah Hussain, Urdu literature, Social conflict, downtrodden, deprived class, Poverty, Economic exploitation, Class differences, Social inequality, Human helplessness, Criticism of the social system.

عبداللہ حسین کا ناول "نادار لوگ " ان کے اہم تخلیقی کارناموں میں شمار ہوتا ہے۔ مصنف نے اس ناول کی تحریر کا آغاز جون 1989ء میں کیا. اس کا پہلا حصہ جون 1996ء میں مکمل ہوا۔ ناول کو ابواب کی صورت میں آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جبکہ نویں حصے کے عنوان کے تحت "جاری ہے" درج ہے، جو کہانی کے تسلسل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس ناول کا زمانی پس منظر 1897ء سے 1974ء تک کے تاریخی عرصے پر محیط ہے۔ جبکہ قیامِ پاکستان سے قبل کے حالات اس کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ ناول میں برصغیر کے سماجی، سیاسی اور معاشرتی حالات کی ایسی جامع تصویر پیش کی گئی ہے جس میں زندگی کے مختلف مسائل اور ان کی باریک تفصیلات نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔

"نادار لوگ" کا بنیادی موضوع برصغیر کے عام لوگوں کی زندگی، ان کے مسائل، محرومیوں اور سماجی حقائق سے متعلق ہے۔ انھی تلخ اور حقیقی تجربات کے سہارے ناول کی کہانی آگے بڑھتی ہے۔ مصنف نے قیامِ پاکستان کے تاریخی پس منظر میں لوگوں کی ذہنی کیفیت، فکری رجحانات اور سماجی رویّوں کا گہرا جائزہ لیا ہے۔ اس کے ساتھ مختلف خاندانوں کی نجی زندگی، ان کے باہمی تعلقات اور روزمرہ حالات کو اس قدر حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ واقعات زندگی کے عین مطابق محسوس ہوتے ہیں۔ ناول

میں ہجرت کے بعد ایک خاندان کو درپیش مسائل، اس کے جذباتی اور معاشرتی تجربات، دوستوں اور عزیزوں سے تعلقات، نیز عام زندگی کے اتار چڑھاؤ کو نہایت فنی مہارت اور گہرے مشاہدے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ عبداللہ حسین نے اس ناول میں زندگی کی ایسی سچائیوں کو قلم بند کیا ہے جو نہ صرف محسوس کی جاسکتی ہیں بلکہ معاشرے میں واضح طور پر دیکھی بھی جاسکتی ہیں۔ "نادار لوگ" کے حوالے سے عبداللہ حسین یوں کہتے ہیں۔

> "لوگ مجھے کہتے ہیں کہ میری کوئی ایک تحریر بھی دوسری سے نہیں ملتی ہے اور اسے وہ اچھی بات ہی سمجھتے ہیں کہ میرے سٹائل، میرے موضوعات اور میری کہانیاں ایک دوسری سے مختلف ہیں، البتہ یہ جو نیا ناول ہے اس میں میرے چھ سال لگے، جن میں چار سال انگلستان میں اور دو سال پاکستان میں، میں یہاں اس غرض سے آیا تھا کہ ناول کے موضوع کے حوالے سے یہاں سے مجھے بہت کی معلومات لینا تھیں، بنیادی اور پرائمری نوعیت کی اطلاعات جو وہاں سے دستیاب ہی نہیں تھیں، چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کے میں یہیں رہوں گا اور اسے ختم کر کے جاؤں گا۔ اب یہ سوال کے یہ نیا ناول کسی لحاظ سے مختلف ہے، اس کا مجھے کوئی خاص علم نہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ یہ دوسرے ناولوں اور کہانیوں سے اتنا مختلف بھی نہیں ہے، جب پڑھیں گے تو لوگوں کو میرے ناول "اداس نسلیں" کی یاد آئے گی، کیونکہ اس کی پلاننگ اور آرگنائزیشن شعوری طور پر نہیں بلکہ غیر شعوری طور سے اسی طرز پر ہوگئی ہے، کیونکہ یہ ایک مخصوص عہد کا احاطہ کرتا ہے جو تقریر ہوں پر محیط ہے یعنی ۱۸۹۷ء سے ۱۹۴۷ء تک، لیکن ۱۸۹۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے جو وقت ہے وہ صرف اس کا پس منظر ہے۔"۔ ۱

ناول کا آغاز 1974ء کے زمانے سے ہوتا ہے۔ کہانی کے مرکزی کرداروں میں سے ایک میجر سرفراز ریل گاڑی کے فرسٹ کلاس ڈبے میں سفر کر رہا ہے جبکہ ٹرین پوری رفتار کے ساتھ جنوب کی سمت رواں دواں ہے۔ اس مرحلے پر سرفراز ایک سنجیدہ، باشعور اور بالغ نوجوان کے روپ میں سامنے آتا ہے جس کی عمر تقریباً اٹھارہ یا انیس برس ہے۔ مصنف ابتدا ہی میں اس کردار کی شخصیت، ذہنی کیفیت اور زندگی کے تجربات کی جھلک پیش کرتے ہیں، جس سے قاری اس کے کردار سے بتدریج واقف ہوتا جاتا ہے۔ اس منظر کے ذریعے ناول کی فضا قائم کی جاتی ہے اور آگے آنے والے واقعات کے لیے بنیاد فراہم کی جاتی ہے۔ مصنف اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "یہ بات سرفراز کے مزاج کے قطعا بر عکس تھی کہ کوئی شے اس کے ضبط سے باہر ہو۔ آٹھ نو برس کی سخت فوجی ٹریننگ نے ایک اٹھارہ انیس سالہ خام نوجوان کو لے کر ایک ایسے ستائیس سالہ پختہ اور بالغ مرد کی شکل میں ڈھال دیا تھا جس کے لیے یہ امر اہم ہو چکا تھا کہ اس کے روزمرہ کے تمام اندرونی طور بیرونی عناصر اس کے دائرہ اختیار کے اندر ہوں۔ عہدے کا موزوں استعمال۔ افسر کی مکمل اطاعت اور ماتحت پر گرفت، خوش اخلاقی، راست گوئی، صاف بنی اصول پرستی، قوت فیصلہ، غرضیکہ سرفراز کی شخصیت کی تمام تر تہذیب کا دارو مدار اس خود نظمی پہ تھا جس کے ذریعے وہ خود اپنے اوپر ہی نہیں بالعہ دوسروں پر بھی نظم عائد کرنے کا اہل تھا"۔ ۲

ناول کا دوسرا باب 1897ء کے تاریخی پس منظر سے شروع ہوتا ہے۔ اس حصے میں مصنف نے کرداروں کو حقیقی زندگی کے نہایت قریب پیش کیا ہے۔ اعجاز، سرفراز کے آباؤ اجداد یعقوب اعوان اور ایوب اعوان، نیز سکھ خاندان کے افراد جگت سنگھ اور صحت سنگھ کے درمیان باہمی تعلقات، محبت اور خلوص کو بڑی خوبصورتی سے اجاگر کیا گیا ہے۔ ان کرداروں کے روابط اس قدر مضبوط اور مثالی ہیں کہ وہ ہندو مسلم اور سکھ برادریوں کے درمیان موجود ہم آہنگی اور بھائی چارے کی علامت بن جاتے ہیں۔ مصنف نے مسلمان اور سکھ خاندانوں کی دوستی کی ایک جاندار اور مؤثر تصویر پیش کی ہے۔ صحت سنگھ کی شادی کے موقع پر یعقوب اعوان اپنے دوست جگت سنگھ کے ساتھ بارات میں شریک ہوتا ہے۔ اسی دوران جگت سنگھ اپنی محبوبہ کلونت کور کی ایک جھلک دیکھنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے، جبکہ یعقوب اعوان اس کے راز کا امین اور مخلص دوست بن کر اس کا ساتھ دیتا ہے۔

ناول نگار نے شادی بیاہ کی تقریبات، ان سے وابستہ رسم و رواج، خوشی کے مواقع اور روزمرہ زندگی کی ہلکی پھلکی نوک جھونک کو نہایت فنی مہارت اور حقیقت پسندی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان مناظر کے ذریعے اس دور کی معاشرتی زندگی، انسانی تعلقات اور ثقافتی رنگارنگی پوری آب و تاب کے ساتھ سامنے آتی ہے۔

ناول میں مصنف نے فنی سطح پر بعض منفرد تجربات بھی کیے ہیں، جن میں وقت (Time Factor) کا تصور خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مصنف وقت کو ایک مسلسل گردش کرنے والے دائرے سے تشبیہ دیتے ہیں جو اپنے سفر کے دوران دوبارہ اسی مقام پر آ پہنچتا ہے جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ اسی نظریے کے تحت تاریخ کے واقعات بھی مختلف صورتوں میں خود کو دہراتے دکھائی دیتے ہیں، اور یہ تکرار دراصل وقت کی گردشی حرکت کا اظہار ہے۔ عبداللہ حسین نے ناول میں ماضی، حال اور مستقبل کے باہمی ربط کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ واقعات ایک مسلسل تاریخی اور زمانی تسلسل کا حصہ محسوس ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی زندگی اور تاریخ دونوں وقت کے اسی دائروی سفر کے تابع ہیں۔ مصنف نے اپنے ایک انٹرویو میں بھی اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے۔

> "۔۔۔ وقت واقعی ایک چکر ہے۔ یہ گول ہے، ایک جگہ سے جا کر پھر اسی جگہ آ جاتا ہے، یہ ایک لڑی ہے ۔۔۔۔ تھرڈ پرسن میں لکھتے لکھتے فرسٹ پرسن میں لکھا ہے، اس میں بھی ٹائم آ جاتا ہے، ٹائم چاہے تھرڈ پرسن میں ہو، فرسٹ پرسن میں ہو، یہ ایک ہی دریا ہے اور اس میں سارے زمانے آ جاتے ہیں، حتٰی کہ وقت کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ سکینڈ اور منٹ بھی۔"۳

ناول میں محبت، سیاست، تاریخ اور معاشرتی زندگی کے متعدد پہلو ایک ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اس ناول کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کی کہانی کسی ایک مرکزی کردار یا واحد موضوع کے گرد نہیں گھومتی۔ درحقیقت مصنف زندگی کی اسی حقیقت کو پیش کرنا چاہتے ہیں کہ انسانی زندگی خود کسی ایک محور تک محدود نہیں ہوتی بلکہ اس میں بے شمار واقعات، تجربات، تعلقات اور نشیب و فراز شامل ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ناول کے مختلف حصوں میں کہیں محبت کی داستانیں سامنے آتی ہیں، کہیں سیاسی حالات و واقعات کا ذکر ملتا ہے اور کہیں تاریخی پس منظر کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ بظاہر ناول میں موضوعات اور واقعات کا ایک وسیع پھیلاؤ محسوس ہوتا ہے، لیکن یہ وسعت دراصل زندگی کی ہمہ گیری کی عکاس ہے۔ مصنف نے شعوری یا لاشعوری طور پر اس تنوع کو اس انداز سے برتا ہے کہ ناول کے مختلف واقعات باہم مربوط اور ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ "نادار لوگ" کسی ایک مرکزی نقطے کے گرد تعمیر نہیں کیا گیا تاہم اس کے تمام واقعات اور کردار ایک داخلی ربط اور فکری وحدت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں وسعت اور تنوع کے باوجود انتشار یا بکھراؤ محسوس نہیں ہوتا بلکہ پوری کہانی ایک مربوط اور منظم تاثر پیدا کرتی ہے۔ ناول کے عنوان "**نادار لوگ** " کے بارے میں عبداللہ حسین اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

> "دراصل میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ادیب کو ہر اس پہلو کی نشان دہی کر دینی چاہیے اور ہر اس ادارے کو تنقید کا نشانہ بنانا چاہیے جو کرپٹ ہو۔ جو لکھنے والا کرپشن اور ناانصافی کے خلاف بر سر پیکار نہ ہوا، اسے ادیب نہیں کہنا چاہیے۔ اگر پاکستان کے حالات کا جائزہ لیں تو کوئی شعبہ یا ادارہ ایسا نہیں ہے، جہاں کرپشن نہ ہو اور اس افراتفری کی وجہ سے سب سے زیادہ غریب اور مفلوک الحال لوگ متاثر ہو رہے ہیں۔ اسی لیے میں نے اس ناول کا نام "نادار لوگ" رکھا ہے"۔۴

ناول نگار نے معمولی اور بظاہر غیر اہم واقعات کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ انہیں مناسب اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سکھ خاندان میں جگت سنگھ اور کلونت کور کے درمیان ہونے والی ہلکی پھلکی نوک جھونک اور بعض روزمرہ واقعات کو مصنف نے نہایت سادہ اور بے تکلف انداز میں پیش کیا ہے۔ اس بیانیے میں وہ مخصوص ثقافتی پہلو بھی سامنے آتے ہیں جن کے ذریعے ہندو معاشرت کی جھلک واضح ہوتی ہے، اور مصنف نے ان تفصیلات کو بیان کرنا ضروری سمجھا ہے۔ کلونت کور اور جگت سنگھ کے درمیان ہونے والے مکالمے نہایت دلچسپ، رواں اور فطری انداز میں پیش کیے گئے ہیں، جو کرداروں کی شخصیت اور باہمی تعلقات کو مؤثر طور پر اجاگر کرتے ہیں۔

> "کلونتیے۔۔۔" جگت سنگھ گلا پھاڑ کر چیخا۔ اوپر سے کلونت کور کا سر نمودار ہوا، "جگو دفعہ ہو جا"
>
> "وہ بولی"
>
> کلونتی نیچے آ۔۔۔۔
>
> چپ کر جگو، میرا بھائیا دلان میں سویا ہے جاگ پڑا تو تیری چمڑی اتارے گا"
>
> "میری جوتی بھی نہیں آتی"

"تجھے کیا جن پڑ گئے ہیں کلو نتیے"

"تو آج برات میں لڑکیوں سے بدمعاشی کر تا رہاہے۔ مجھے سب پتہ ہے"

"کلونتی" میں تجھے ڈھونڈ رہا تھا"

"جھوٹا بے شرما"

کوبے سے پوچھ لے"

کوبے اوانے کا مجھے پتہ ہے"

"نیچے تو اتر کے آ"

"میری جوتی بھی نہیں آتی"

چل جوتی ہی پھینک دے۔"۵

اس طرح کلونت کور جوتی نیچے پھنک دیتی ہے تو کہتی ہے کہ تیری آنکھوں پر، میں پیشاب بھی نہیں کرتی ہوں تو جگت سنگھ کا جواب کچھ یوں ہے۔

"موت کے دیکھ۔ پوتر سمجھ کے پی جاؤں گا"۔

موت دوں گی سچ مچ"

"چل موت"

ڈینگیں مارتے ہو جھوٹے"

"سچ بولتا ہوں کلونتیے"

سونے دو"۔٦

مصنف نے ناول میں اتنی خوبصورتی سے حقیقی زندگی کے گمان ہونے کا وہ رنگ بھرا ہے جس سے اس کا فن نکھر کر سامنے آیا ہے۔

مذکورہ ناول کا زمانی دائرہ 1897ء سے 1947ء تک کے تاریخی پس منظر پر محیط ہے، جبکہ تقسیم ہند اور ہجرت کے واقعات کے بعد پاکستان کی نئی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دوران اعوان خاندان کی نسلیں پروان چڑھتی ہیں اور ان کی زندگی کے مختلف مراحل ناول کا حصہ بنتے ہیں۔ مصنف نے پاکستانی معاشرے کی دیہی زندگی، سیاسی حالات، مارشل لا کے اثرات، متوسط طبقے کی جدوجہد، فوجی تربیت، 1971ء کی جنگ اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی جیسے اہم قومی واقعات کو کہانی میں سمویا ہے۔ اس میں میجر سرفراز کی زندگی ایک اہم محور کے طور پر سامنے آتی ہے۔ جنگی حالات، ہندوستان کے قیدی کیمپوں میں اس کی قید، اپنی منگیتر نسیمہ کے نام لکھے گئے خطوط، جنگی قیدیوں کے فرار کے منصوبے اور بعد ازاں ان کی وطن واپسی جیسے واقعات نہایت مؤثر انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ملک کے دولخت ہونے کے اسباب، تحقیقاتی کمیشن کی تشکیل، ملک اعجاز کی پریس کانفرنس، خفیہ دستاویزات کے انکشافات، گرفتاریوں اور میجر سرفراز کی انکوائری و استعفے جیسے واقعات بھی ناول کے اہم اجزا ہیں۔ آخر میں اعوان خاندان کا دوبارہ گاؤں میں آکر نئی زندگی کا آغاز کرنا کہانی کو ایک نئے موڑ پر لے جاتا ہے۔

عبداللہ حسین کو اپنی فنی صلاحیت اور اندازِ بیان پر مکمل اعتماد حاصل ہے۔ وہ سادہ، رواں اور مؤثر زبان کے ذریعے پیچیدہ واقعات اور گہرے انسانی تجربات کو بڑی مہارت سے پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریر میں الفاظ کی سادگی کے باوجود تاثیر اور دلکشی موجود رہتی ہے۔ خصوصاً جب وہ کسی کردار یا منظر کا سراپا بیان کرتے ہیں تو قاری کے سامنے ایک جیتی جاگتی تصویر ابھر آتی ہے۔ پلاٹ باکمال ہے۔ ایک مثال دیکھیں۔

"بازوؤں سے سینہ ڈھکے اور ہاتھوں سے کندھوں کو تھامے ہوئے لڑکی اس صورت میں پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی ۔ اس کی ہڈی پتلی جسم انتہائی دبلا تھا۔ اس کا وزن مشکل ایک من کا ہو گا، مگر اس کے لہجے کی مانند اس کے سر اور چہرے سے بدن کی نزاکت کا کوئی نشان نہ ملتا تھا۔ اس کا ماتھا چوڑا اور رنگ صاف بڑی بڑی پر اعتماد آنکھیں اور ناک

SCRR

> نقشہ موزوں تھا۔ اور اس کی ماتھے کی خراش پر جمتا ہوا خون بے اصل ساد کھائی دے رہا تھا" ٹھہریے ٹھہرے ہے" وہ جلدی سے بولی، "ذرا رکیے پلیز۔۔۔ میری کتابیں۔۔۔۔۔"۔۷

عبداللہ حسین نے ناول میں خشک، مصنوعی یا بے جان زبان کے استعمال سے گریز کیا ہے۔ ہر کردار کو اس کی شخصیت، مزاج اور حالات کے مطابق اظہارِ خیال کا موقع دیا گیا ہے، جس سے مکالمے فطری اور حقیقت سے قریب تر محسوس ہوتے ہیں۔ یہی خصوصیت ناول کی فنی دلکشی میں اضافہ کرتی ہے اور اسلوب کو زیادہ مؤثر بناتی ہے۔ انکی تحریر کا ایک نمایاں وصف اس کی سادگی ہے لیکن یہ سادگی سطحیت یا عامیانہ پن کا شکار نہیں ہوتی۔ درحقیقت سادہ زبان میں گہرے خیالات اور پیچیدہ انسانی تجربات کو مؤثر انداز میں بیان کرنا ایک بڑی ادبی مہارت کا تقاضا کرتا ہے۔ اکثر سادگی بے رنگی یا پھیکے پن میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ مگر عبداللہ حسین نے اپنی نثر میں سادگی کے ساتھ فصاحت، روانی اور لطفِ بیان کو بھی برقرار رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر بیک وقت عام قاری کے لیے قابلِ فہم اور ادبی ذوق رکھنے والوں کے لیے پُرکشش محسوس ہوتی ہے۔ اسی حوالے سے ایک جگہ رقم طراز ہیں۔

> "ملک کے بٹوارے کا وقت آن پہنچا تھا۔ سال چڑھا تو افواہیں پھیلنی شروع ہوئیں کہ آبادی کی ادل بدل شروع ہو چکی ہے۔ پھر فساد اور مار دھاڑ کی کہانیاں کانوں تک پہنچنے لگیں۔
>
> کبیر سنگھ والا میں اگرچہ مسلمانوں کا ایک ہی گھر آتا تھا، اور اس میں بھی فقط تین فرد رہ گئے تھے، مگر جدی پشتی رہائش کے مقام پر ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ یعقوب اعوان کو ایک پل کے لیے بھی اس بات کا گمان نہ ہوا کہ وہ نقل مکانی کرے، یہاں تک کہ جلسے جلوس اور نعرے امرتسر کے شہر سے نکل کر نواح کے قصبوں اور گاؤں میں سرائیت کر آئے۔ پھر پکی سڑکوں پر ہجرت کرتے ہوئے بدحال قافلے مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کو آتے ہوئے نظر آنے شروع ہوئے۔ عورتوں بچوں کی چیخ پکار اور انسانی خون کے نظاروں نے ہوا کا رخ بدل دیا۔ آخر وہ دن بھی آیا جب بھیت سنگھ نے آکر کہا، "فسادی ہمارے گڑھ تک آ پہنچے ہیں اٹھ کے ہمارے ڈیرے پر آجا"
>
> یعقوب اعوان کی چھاتی کمزور تھی۔۔۔۔۔ کارتوسوں کی پیٹی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "جب تک یہ خالی نہیں ہو جاتی میں اپنی زمین سے پیر نہیں اٹھاوں گا۔۔" کبیرے میں تیرا ایک ہی گھر ہے۔" جسونت سنگھ بولا،
>
> "سب کی نظر میں ہے۔ اپنی عورت کی حالت دیکھ، ضد نہ کر ہمارے ساتھ چلا چل۔ ۔۔۔۔۔"
>
> "زمانہ بدل گیا ہے یکوب" ارجن سنگھ نے کہا، اڑیل نہ بن، آنکھ کھول کر دیکھ۔ اپنے ہی گاؤں کے حرام خور فسادیوں سے مل گئے ہیں۔ چل اٹھ خون خرابانہ کرا"۔۸

ایک اور جگہ زبان کا استعمال یوں ہے۔

> "چل او سور کے تخم "ایک عورت اپنے بچے سے چلا کر بولی اینٹ اٹھا اینٹ، چھتر کھائے گا میرے سے، چل چل چل۔۔۔" ۔۹

عبداللہ حسین کردار کی جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ اس کی شایان شان ہوتی ہے۔ غم کا موقع ہو تو لب ولجہ اور الفاظ سے اظہار مال کا پورا نقشہ سامنے آتا ہے۔ خوشی اور مسرت کے لمحات ہوں تو مناسب الفاظ اور جملوں کی ساخت سے من وعن واضح ہو جاتا ہے۔ منظر کشی کے وقت ایسے الفاظ لاتے ہیں جو کمال کو پر اثر یا دیں بات کرنے والے کے جذبات واستعداد کا خیال کر کے زبان وطرز گفتگو قلمبند کرتے ہیں۔ ماحول کی عکاسی کا نقشہ اس طرح پیش کرتے ہیں۔

> "پت جھڑ کا موسم تھا۔ شیشم، نیم اور بکائن کے پتے دن بدن پیلے ہو کر گرتے جا رہے تھے اور موسمی گھولے انہیں اڑاتے پھرتے تھے، دھوپ کا زور ٹوٹ چکا تھا اور ہوا میں جاڑوں کا بدلتا رنگ تھا۔ کپاس کی فصل تقریباً چنی جا چکی تھی اور اس کی ٹہنیوں کے ڈھینگر اٹھا لیے گئے تھے۔ اس منجھٹی سے اب کسان حقے کی چلموں کے لئے آگ

بناتے تھے جبکہ اس ایک حصہ کھلیانوں میں ذخیرہ کر لیا گیا تھا تا کہ سردیوں کی بارش میں گیلے بالن کے ساتھ چولہوں میں جلانے کے کام آئے۔۔۔۔نور پور اس علاقے کا بڑا قصبہ تھا جہاں ڈسپنسری بڑا تھانہ، ڈاک خانہ اور نائب تحصیلدار کی کچہری واقع تھی۔ انتظامی امور کی رو سے یہ علاقہ تحصیل لاہور کا حصہ تھا"۔۱۰

اوپر کے اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبداللہ حسین نے موقع و محل کے مطابق میٹھی اور خوبصورت زبان استعمال کی ہے۔انہوں نے سر فراز کے فوج میں چلے جانے اور ملٹری اکیڈمی میں انگریزی زبان کے بولے جانے کی وجہ سے اس کردار کی زبان جو آدمی اردو بولتا ہے اور آدمی انگریزی احسن طریقے سے پیش کیا ہے۔ عبداللہ حسین ہر کردار کی ضرورت کے مطابق اس کردار کی زبان یوں استعمال کرتے ہیں۔مثالیں یہ ہیں۔

"پتر" وہ بولی، "تہاڈیاں مانواں نے تھانوں دودھ نہیں بخشناء- ۵۰

"ہینڈز آف!" بعد میں اس روز سر فراز نے جمال سے کہا تھا۔

"کچھ شرم کرو" جمال نے جواب دیا تھا۔

"نیور مائینڈ، تونے کوئی پیش قدمی کی تو پھر خیر نہیں"

" آل رائٹ، آل رائٹ،" جمال نے دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھاتے ہوئے جواب دیا، میں دستبردار ہوتا ہوں۔۔۱۱

اوپر کی مثال سے انگریزی الفاظ کو اردو میں مناسب انداز میں استعمال کیا ہے۔

مجموعی طور پر اس ناول کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عبداللہ حسین کی تحریر ان کے گہرے مشاہدات اور احساسات کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔انہوں نے اس ضخیم ناول میں معاشرتی حالات اور واقعات کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ وہ قاری کو اپنے عہد کی زندہ حقیقت محسوس ہوتے ہیں۔ناول میں بیان کیے گئے مناظر اور کردار ہمارے ارد گرد کے ماحول سے اس قدر قریب ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہو رہا ہو۔ایک حقیقی فن کار کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مشاہدات، خیالات اور احساسات کو اس مہارت سے پیش کرے کہ قاری بھی ان حالات و واقعات کو اسی شدت سے محسوس کرے اور انہیں ایک زندہ اور متحرک حقیقت کے طور پر دیکھ سکے۔

حوالہ جات

۱۔ فیضان عارف، انٹرویو عبداللہ حسین، روزنامہ جنگ، راولپنڈی، ۱۳ جنوری ۱۹۹۷ء

۲۔ عبداللہ حسین، نادار لوگ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۱

۳۔ فیضان عارف، ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ عبداللہ حسین، نادار لوگ، ص ۱۹، ۲۰

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً، ص ۸۳، ۸۴

۸۔ ایضاً، ص ۲۶، ۲۷

۹۔ ایضاً، ص ۱۳۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۸۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۹

SCRR